جماعت احمدیہ میں مہمان نوازی کا ایک ایسا جذبہ ہے جس کی نظیر دنیا میں کوئی جماعت پیش نہیں کرسکتی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 19 / جولائی 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ إِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۵﴾ إِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَرَاغَ إِلٰٓى أَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۷﴾ فَقَرَّبَهٗٓ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُوْنَ ﴿۲۸﴾

(الذاریات: 25 تا 28)

پھر فرمایا:

جلسہ سالانہ UK کے دن بہت قریب آگئے ہیں اور یہ وہ جلسہ سالانہ ہے جو ایک عالمی نوعیت اختیار کر چکا ہے۔ سب جلسے بہت اچھے ہوتے ہیں محض اللہ کی خاطر دور دور سے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں بہت سے فوائد باہمی محبت کے ذریعے بھی بڑھتے ہیں اور دیگر روحانی اور آسمانی برکات بھی بکثرت نازل ہوتی ہیں۔ جرمنی کا جلسہ بھی بہت غیر معمولی نوعیت اختیار کر چکا ہے کینیڈا کا بھی اپنا رنگ رکھتا تھا امریکہ کا بھی، دور دور سے مہمان آتے ہیں اور ان سے مل کر محبتیں تازہ ہوتی ہیں پرانی یادیں پھر تازہ ہو جاتی ہیں اور آئندہ کے لئے گویا زادراہ مل جاتا ہے۔ بعض جلسے ایسے ہیں اتنا روحانی زاد چھوڑ جاتے ہیں ایسی غذا پیچھے چھوڑ جاتے ہیں کہ سارا سال یادوں میں ان کو کھایا جاتا ہے اور وہ ختم نہیں ہوتیں۔ مگر UK یعنی United Kingdom کا جو جلسہ ہے اس کی اپنی ایک شان ہے۔ اس کثرت سے دور دراز سے، مشرق و مغرب، شمال و جنوب سے دنیا کے کسی جلسے میں لوگ اس

طرح اکٹھے نہیں ہوتے جیسے انگلستان کے جلسے میں آتے ہیں اس لئے اس پہلو سے اسے ایک مرکزیت حاصل ہوگئی ہے اور وہ آتے ہیں جن کا انتظار رہتا ہے۔ بعض چہرے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔ خاص طور پر اپنے مظلوم بھائی، مظلوم بہنیں، مظلوم بچے جو پاکستان سے آتے ہیں۔ اترے ہوئے، دکھے ہوئے چہرے آتے ہیں تو کھلکھلا اٹھتے ہیں۔ نئی زندگی، نئی تازگی پیدا ہوتی ہے۔ خوشیاں بھی لاتے ہیں غم بھی لاتے ہیں اور بیک وقت ایسی کیفیت میں وقت گزرتا ہے کہ اس کا بیان ممکن نہیں لیکن جلسے کی عادت یہ ہے کہ مدتوں انتظار کراتا ہے راہ دیکھتے چلے جاتے ہیں۔ جب آتا ہے تو ایسے گزر جاتا ہے جیسے پلک جھپکنے میں نکل گیا۔ یہ وصل کی کیفیت کا حال ہے اور محبت کے طبعی تقاضے ہیں۔ ایک ایسی ہی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے میں نے ایک دفعہ، اپنے ایک شعر میں یوں کوشش کی تھی کہ

لمحات وصل جن پہ ازّل کا گمان تھا
چٹکی میں اڑ گئے وہ طُیورِ سُرورِ شب

(کلام طاہر: 111)

یعنی وہ لمحات وصل کے جب تھے تو لگتا تھا کہ ازل آ گئی ہے، وقت ٹھہر گیا ہے اور جب گزر رے تو یہ رات کے پرندے لگتا تھا کہ چٹکی میں اڑ گئے۔

تو امر واقعہ یہ ہے کہ یہی وہ کیفیت ہے جو بعض ازلی صداقتوں کی طرف انسان کے ذہن کو منتقل کر دیتی ہے۔ چنانچہ اس مضمون پر غور کرتے ہوئے مجھے جنت کی ازل کی حقیقت سمجھ آ گئی اور جہنم تھوڑے وقت کے ہونے کے باوجود کیوں لامتناہی دکھائی دے گی اور کیوں جہنم کو بھی ابدی کہا گیا ہے وہ راز بھی سمجھ میں آ گیا۔ جنت کا ہمیشہ ہمیش کے لئے ہونا ایک لازمی حقیقت ہے جس کے سوا چارہ نہیں ہے کیونکہ اگر دنیا میں انسانی وصل کے تجارب اتنا گہرا اثر انسان پر چھوڑتے ہیں کہ آنے والوں کی موجودگی میں تو وقت لگتا ہے ٹھہر گیا ہے، ہمیشہ کے لئے یہی وقت ہے اس سے زیادہ آگے اور پیچھے کا کوئی دھیان باقی نہیں رہتا اور جب گزرتا ہے تو یوں لگتا ہے آناً فاناً گزر گیا ایک لمحے کے لئے بھی نہیں ٹھہرا۔ اگر وصل الٰہی، جس کو دنیا کے وصل کے مقابل پر ایک لامتناہی عظمت حاصل ہے اس کی رفعتوں کا انسان تصور نہیں کر سکتا، اس کا سوچیں اگر وہ کسی محدود عرصے کے لئے جنت ہوتی تو وہ جنت

جو لطف لاتی جب جاتی تو جتنے دکھ دے جاتی اس کا کوئی تصور بھی انسان کے لئے ممکن نہیں ہے۔ایک دنیا کے محبوب کی جدائی سے دیکھو کتنا دکھ پہنچتا ہے۔ چند لمحے کے وصل کی گھڑیاں جو سکھ لاتی ہیں وہ بعض دفعہ عمر بھر کا دکھ پیچھے چھوڑ جاتی ہیں۔

یہ وہ فلسفہ ہے ازل اور ابد کا جس کی حقیقت ہمیں قرآن کریم کے **مابعد الموت** کے پیش کردہ مناظر سے سمجھ آتی ہے۔ جتنا بڑا دکھ ہو جتنی شدید تکلیف ہو اتنا ہی وقت لمبا ہو جاتا ہے اور اتنا لمبا ہو جاتا ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔بعض دکھ کی راتیں لگتا ہے ساری زندگی پر محیط ہو گئی ہیں اور سکھ کی زندگیاں جب ختم ہوتی ہیں تو انسان کہتا ہے:

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

کچھ بھی ؎ نہیں رہا چند دن کی باتیں تھیں اور پھر بعض شعراء خدا کو (خواجہ میر درد) طعنے دیتے ہیں:

؎ دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے (فیض احمد فیض)

یہ دو چار دن کی زندگی یہی دی تھی نا لیکن جب گزر گئی تو دنیا کے عیش کی کچھ سمجھ نہیں آتی کہاں چلا گیا سوائے ان بداثرات کے جو باقی رہ جائے کچھ پیچھے چھوڑ کر نہیں جاتا۔

تو ازل کی محبت اور ازلی محبوب سے یہ دو لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔اس لئے جنت لامتناہی بھی ہوگی تو وہ بور نہیں کرسکتی اس سے انسان اکتاہٹ محسوس نہیں کرسکتا کیونکہ اصل اکتاہٹ کا فلسفہ تعلق کی کمی میں ہے اور جو شخص بھی تعلق رکھنے کے باوجود پرانا ہو جائے اور اس کی جاذبیت ختم ہو جائے وہ شخص اکتاہٹ پیدا کرنے لگتا ہے۔ایک اللہ کی ذات ہے جس کا تعلق نہ صرف یہ کہ بے انتہا لذتیں لاتا ہے، لامتناہی سرور بخشتا ہے جیسے قرآن کریم فرماتا ہے تم اس دنیا میں تصور بھی نہیں کرسکتے، ناممکن ہے۔مثالیں ہم دیتے ہیں مگر تمہارے لئے ممکن نہیں کہ سوچ سکو کہ وہ چیز کیا ہے۔نعماءِ جنت کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔وہ دراصل محبت کی جنت ہے اور اس محبت کا دائمی ہونا ایک لازمی نتیجہ تھا۔پس اس پہلو سے جنت کے ازلی ہونے کی سمجھ آگئی اور پھر یہ کہ جب محبوب اپنے حسن میں بڑھتا ہوا دکھائی دے رہا ہو پھر تو کسی جگہ اس کا انقطاع ممکن نہیں۔غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (حٰمٓ السجدہ:9) کے سوا کچھ کہا ہی نہیں جاسکتا۔پس یہی ہے اللہ تعالیٰ نے جو نتیجہ نکالا کہ یہ وہ جنت ہوگی تمہاری جزا کی جو غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ہے۔وہ کاٹی جا ہی نہیں سکتی۔جہاں بھی کاٹی

جائے گی تمہیں یوں لگے گا جیسے آناً فاناً گزر گئی۔

لیکن جہنم کا ابدی ہونے کے باوجود ابدیت کا معنی اور ہے۔ جہاں ایک ایک لمحہ ایک عذاب دکھائی دے اور یوں محسوس ہو کہ ساری عمر دکھ ہی کاٹے ہیں۔ چنانچہ بہت سی ناشکری عورتیں خاوند کے ہاتھوں اگر کوئی ظلم دیکھ لیں تو کہتی ہیں ہم نے تو ساری عمر دکھ ہی کاٹے ہیں۔ ہوسکتا ہے مبالغہ بھی ہو لیکن ہوسکتا ہے ایک طبعی مجبوری کی کیفیت کا نام ہو۔ وہ طبعی مجبوری کی کیفیت یہ ہے کہ دکھ کا زمانہ لمبا لگتا ہے اور احسان کا زمانہ چھوٹا دکھائی دیتا ہے۔ اس مضمون پر غور کرتے ہوئے اس طرف بھی توجہ جاتی ہے کہ ہم خدا کے احسان کا شکریہ ادا کرنے کی کماحقہ کوشش بھی کرتے ہیں کہ نہیں اور اس کے احسان تو اتنے محیط ہیں کہ ان کے محیط ہونے کی وجہ سے وہ نظر سے اوجھل ہو گئے ہیں اور یاد کرانا پڑتا ہے ایک ایک لمحے کی یاد دلانی پڑتی ہے اور ان کا شکر ادا نہ کرنے کا رجحان انسان میں پایا جاتا ہے۔ اس میں ایک حد تک تو یہی نفسیاتی مجبوری ہے کہ جو انسان بعض احسانات میں ڈوب جائے وہ رفتہ رفتہ سمجھتا ہے کہ یہ میرا روزمرّہ زندگی کا حق ہے۔ ہاں جب احسان کا ہاتھ کھینچا جاتا ہے تب سمجھ آتی ہے کہ احسان کس کو کہتے ہیں۔

ایک صاحب تشریف لائے کل، بیماریوں کے سلسلے میں لوگ آتے رہتے ہیں کہ رات گردے کی بہت تکلیف تھی، رات ہی نہیں کٹتی تھی۔ کسی کو دانت کی تکلیف ہوئی تو ساری رات عذاب میں گزری، زمانہ ٹھہر گیا۔ تو دکھ بھی ٹھہر جاتے ہیں مگر تھوڑے ہوں تب بھی بہت لمبے دکھائی دیتے ہیں۔ جب گزرتے ہیں تو ان کی یاد کا دکھ ختم نہیں ہوتا اور سرور کی اور کیفیت ہے۔ پس ہمارے جلسے بھی اسی طرح آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اور یوں لگتا ہے کہ ابھی کچھ دیکھا بھی نہیں تھا کہ وقت ہاتھ سے نکل گیا، گزر گیا۔ پس جتنے بھی لمحات ہیں ان کی قدر کریں اور جو مقامی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بہت خدمت کرتے ہیں، غیر معمولی اور مجھے کبھی جماعت U.K سے یہ شکوہ نہیں ہوا کہ انہوں نے جو خدمت کا حق تھا اس میں کمی کی یا عمداً ان سے کوتاہی ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود مہمان کا دل نازک ہوتا ہے اور مہمان کی عظمت کا اور اس کی عزت کا جو تصور قرآن کریم نے پیش فرمایا ہے اس کا ذکر چند آیات میں ملتا ہے جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی تھیں۔

هَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ الْمُكْرَمِينَ کیا تجھ تک ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے۔ وہ معزز تھے مگر فرمایا قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ اجنبی لوگ تھے۔ تو مہمان اپنی

اجنبیت میں بھی معزز ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جو قرآن کریم کا یہ بیان ہمیں سکھا گیا اور حضرت ابراہیمؑ کا حال دیکھیں فَرَاغَ اِلٰٓی اَھۡلِہٖ فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِیۡنٍ یہ نہیں پوچھا کھانا کھانا ہے کہ نہیں، بھوکے ہو کے نہیں۔ اجنبی مہمانوں سے یہ سلوک ہے۔ جو اپنے پیارے جن کا انسان منتظر ہو وہ آئیں تو پھر کتنا اس سے بڑھ کر دل کے طبعی جوش سے ان کا اعزاز ہونا چاہئے۔ یہ پتا ہی نہیں کیا کہ تم ہو کون لوگ اجنبی لوگ تھے جا کے بچھڑا تیار کیا، ذبح فرما دیا اور فَقَرَّبَہٗۤ اِلَیۡھِمۡ پیش کیا اور حیرت سے پوچھا اَلَا تَاۡکُلُوۡنَ کھاؤ گے نہیں تم۔

اب یہاں مُّنۡکَرُوۡنَ کا معنی ایسا اجنبی جس سے انسان خوف کھاتا ہو اس جگہ درست نہیں ہے کیونکہ ان کی وہ خوف والی اجنبیت کا علم بعد میں ہوا ہے۔ پہلی اجنبیت تھی وہ ان کی ذاتی اجنبیت تھی، ان کو کبھی نہیں دیکھا تھا، ان سے آشنائی نہیں تھی اور تھے وہ مُّنۡکَرُوۡنَ۔ تب ہی بسا اوقات میں مغرب کے خطبات میں یہ نہیں کہتا کہ معزز مہمانو اور دوسرے مہمانو! میں کہتا ہوں تم سارے معزز مہمان ہو کیونکہ قرآن کریم کی اصطلاح میں مہمان کے لئے معزز ہی کا لفظ ہے اپنا ہو یا پرایا ہو، اجنبی ہو یا دیکھا بھالا ہو سب مہمان معزز ہیں۔ اس پہلو سے جس حد تک بھی ممکن ہے مہمانوں کی خدمت کرنا لازم ہے مگر یہ خیال کہ ہم نے خدمت کا حق ادا کر دیا۔ یہ کافی نہیں ہے کیونکہ بعض مہمان اپنی نزاکتیں ساتھ لے کے آتے ہیں اور جتنا وہ خود مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں اس سے بہت زیادہ کی اپنے لئے توقع رکھتے ہیں۔ پھر بہت سے ایسے مہمان ہیں ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ دیکھو ہم کتنی دور سے چل کے آئے ہیں، کتنی محنتیں کیں، کتنے کتنے دن ویزوں کے لئے گزار دیئے، انتظار میں Que میں لگے بیٹھے رہے تو یہ ان کی یادیں واقعۃً ان کے اندر صحیح جذبہ پیدا کرتی ہیں کہ ہم ایسے مہمان نہیں کہ ہمیں یونہی السلام علیکم اور جزاک اللہ کہہ کے ٹال دیا جائے، ہماری پوری عزت ہونی چاہئے۔ محض للہ آئے ہیں اور اس پہلو سے اللہ کے مہمان ہیں اور اللہ کے مہمانوں کا حق باقی مہمانوں سے زیادہ ادا ہونا چاہئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا، مہمانوں کے انتظام میں مہمان نوازی کی نسبت یہ فرمایا:

”میرا ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ کسی مہمان کو تکلیف نہ ہو بلکہ اس کے

لئے ہمیشہ تاکید کرتا رہتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے مہمانوں کو آرام دیا جائے۔ مہمان کا دل مثل آئینہ کے نازک ہوتا ہے اور ذراسی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ جاتا ہے۔۔۔‘‘

یہ ہے وہ مہمان کی خصوصیت اور اس کے لئے ایک نفسیاتی وجہ موجود ہے۔ وہ اپنے گھر نہیں ہوتا دوسرے کے گھر ہوتا ہے اور اپنے گھر کی تکلیفوں کو وہ روزمرّہ کا اپنا ایک معمول سمجھتا ہے لیکن جب دوسرے کے گھر جائے تو یہ ایک نفسیاتی خوف ہوتا ہے کہ کہیں میں بے طلب کا مہمان تو نہیں، کہیں میں ایسا مہمان تو نہیں جس کو یہ چاہتے نہیں تھے۔ اس لئے وجہ بے وجہ نفس بہانے ڈھونڈ لیتا ہے، اس کو ڈراتا ہے کہ دیکھا تم یہاں پسندیدہ مہمان نہیں ہو۔ تمہاری جو خدمت ہونی چاہئے تھی وہ نہیں کی جارہی، معلوم ہوتا ہے تمہیں چاہتے نہیں یہ لوگ۔ تو جو خوف ہیں نفسیاتی خوف وہ طرح طرح کے قصے گھڑ لیتے ہیں۔ پس یہ بھی وجہ ہے اور بھی بہت سی وجوہات ہیں جس کی وجہ سے مہمان کی عمومی صفت یہ ہے کہ وہ نازک دل ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں شیشے کی طرح نازک ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

’’۔۔۔اس سے پیشتر میں نے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ خود بھی مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتا تھا مگر جب سے بیماری نے ترقی کی اور پرہیزی کھانا کھانا پڑا تو پھر وہ التزام نہ رہا۔ ساتھ ہی مہمانوں کی کثرت اس قدر ہو گئی کہ جگہ کافی نہ ہوتی تھی اس لئے بمجبوری علیحدگی ہوئی۔ ہماری طرف سے ہر ایک کو اجازت ہے کہ اپنی تکلیف کو پیش کر دیا کرے۔ بعض لوگ بیمار ہوتے ہیں ان کے واسطے الگ کھانے کا انتظام ہو سکتا ہے۔‘‘ (ملفوظات جلد سوم:292)

یہ جو مضمون ہے اس پر غور کرنا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں کتنے مہمان ہوا کرتے تھے۔ چند تھے مگر اپنے گھر میں رکھنے کے شوق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کوئی جگہ خالی نہیں چھوڑتے تھے اور پھر وہ کثرت ایسی ہوئی کہ اپنے گھر میں نہیں رکھے جا سکے تو مہمانوں میں پہنچتے تھے اور مہمان خانوں میں بھی پہنچنے کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام ذاتی توجہ نہیں دے سکتے تھے ہر ایک کی طرف۔ اس لئے اب تو یہ معاملہ بہت آگے جا چکا ہے لیکن اللہ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کی قبولیت کا نشان ہے اور آپؑ نے جس رنگ میں مہمان نوازی

میں تربیت فرمائی کہ جو کچھ آپ چاہتے تھے اب ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ساری دنیا میں جماعت میں مہمان نوازی کا ایک ایسا جذبہ ہے کہ جس کی کوئی مثال دنیا میں کوئی جماعت پیش نہیں کرسکتی۔ حیران کن ہے۔اتنی تکلیفیں اٹھاتے ہیں مہمان کی آمد کے انتظار میں اوراس کی سہولت کی خاطر کہ جب میں ان کے وقار عمل دیکھتا ہوں، جب بچوں کو دیکھتا ہوں بڑوں کو،عورتوں کو،مردوں کو بعض کئی کئی مہینے سے مسلسل اپنے آنے والے مہمانوں کے انتظار میں وہ خدمات سرانجام دے رہے ہیں جو احتیاطاً ان کو تکلیف سے بچانے کے لئے اور آرام پہنچانے کے لئے کرنی پڑتی ہیں۔وہ انتظامات خود اپنے ہاتھ سے درست کرتے ہیں۔ہاتھ سے اس لئے کہ ہمارے پاس مہمان نوازی کے لئے جذبے تو بہت ہیں لیکن پیسہ اتنا زیادہ نہیں کہ ہر کام پیشہ وروں سے کرواسکیں اوراگر وہ ہوتا تو اچھا نہ لگتا کیونکہ جو لطف اپنے ہاتھ سے مہمان کی خدمت کا ہے وہ پیشہ وارانہ کام سے ممکن ہی نہیں ہے۔اس لئے شروع میں تو یہی دقت شاید ہومگر میں نے تجربے سے محسوس کیا ہے کہ خدا کی تقدیر یہ ہے۔جن کاموں میں روپے کی ضرورت پڑے بے شمار عطافرماتا ہے۔تو وہ ہمیں اسی طرح دیکھنا چاہتا ہے کہ مہمان کی خدمت کے لئے روپے پر انحصار نہ ہو، ذاتی قربانی پر انحصار ہواور جو لطف اس خدمت کا ہے وہ کسی اور خدمت میں ممکن نہیں ہے۔میں نے دیکھا ہے مہمان نوازی کے تعلق میں اگرکسی مہمان سے تعلق ہوتو گھر والی خود صفائیاں کرتی پھرتی ہے۔نوکر ہوں بھی تو اعتماد نہیں کرے گی۔وہ ایک ایک چیز کو خود دیکھے گی،خود سلیقے سے لگائے گی اور چند لمحے ہیں مہمان نوازی کے جو آیا اور گزر بھی گیا لیکن اس کی دیکھیں تیاریاں کیسی کی جاتی ہیں اور یہ محبت کے نتیجہ میں ہوتا ہے اور محبت کے علاوہ اس سلیقے کے نتیجہ میں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں بخشا ہے مہمان نوازی کے لئے آپؑ کی مثالیں حیرت انگیز ہیں کس طرح آپ مہمان نوازی کیا کرتے تھے۔بعض دفعہ پڑھتے وقت آنکھوں سے جذبات کا سیلاب اُمڈ جاتا ہے۔سردی کی راتیں،اتنی سخت راتیں کہ مہمانوں کے لئے وہ راتیں برداشت کرنا مشکل ہورہا تھا۔مطالبے آرہے تھے کہ یاحضرت وہاں تلائی کم ہوگئی وہاں رضائی کم ہوگئی وہاں کمبل کی ضرورت ہے آپ گھر سے سب کچھ بانٹتے چلے گئے۔آخرایک دفعہ ایک اطلاع دینے والے نے آکر کمرے میں دیکھا تو آپ اپنا جبہ لے کر کرسی پر پڑے ہوئے تھے کوئی چیز گھر میں سونے کے لئے اپنے اوپر اوڑھنے کے لئے نہیں تھی۔آپؑ نے فرمایا کہ یہی کچھ ہے۔اللہ کا

کتنا احسان ہے کہ اسی میں مجھے آرام اور سکون مل رہا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مہمان نوازی کی لطافتیں آپ دیکھیں تو عقل حیرت میں ڈوب جاتی ہے۔کیسی لطافت تھی کیسی باریکیاں تھیں اس مہمان نوازی کی۔

پس وہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جذبے ہیں جو آسمان سے اب احمدیوں پر فضلوں کی صورت میں نازل ہو رہے ہیں اور دنیا میں ایک ایسی جماعت رونما ہوئی ہے جس کے متعلق انسان یقین سے کہہ سکتا ہے کہ دنیا کی کوئی قوم مہمان نوازی میں اس کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔موسم بدلتے ہیں تکلیفیں آتی ہیں کبھی اچھے موسم،کبھی برے موسم،کبھی سردیاں زیادہ،کبھی گرمیاں زیادہ،کبھی آندھی،کبھی جھکڑ چل رہے ہیں مگر احمدی مہمان نوازی پہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔وہ ہر بدلتے ہوئے وقت کی تکلیفیں خود اپنے اوپر لیتا ہے اور مہمان کی خدمت میں ہمیشہ،ہمہ وقت مستعد رہتا ہے۔ان روایتوں کو آپ زندہ رکھیں کیونکہ یہ وہ روایتیں ہیں جن کا ذکر حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ پرانے انبیاءؑ کی باتیں محض عام نصیحتوں کے لئے نہیں بلکہ بعض محبت کے جذبوں کی وجہ سے بھی محفوظ فرماتا ہے اور جن انبیاءؑ سے زیادہ پیار ہے ان کے ذکر میں بسا اوقات محبت کے تذکرے زیادہ چلتے ہیں۔یوں لگتا ہے کہ بات لمبی ہو رہی ہے ضرورت کیا تھی اتنی لمبی بات کی لیکن جب محبت ہو تو پھر باتیں لمبی کی جاتی ہیں۔حضرت موسیٰؑ کے ساتھ دیکھیں بات ختم ہوئی ایک دفعہ کہہ دی لیکن اللہ تعالیٰ اس کو کرتا چلا جاتا ہے کہ اس نے یوں کیا،پھر اس نے یوں کیا،پھر اس طرح ڈرا،پھر ہم نے اس طرح بلایا۔وہ پیار کے قصے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بھی اکثر پیار کے طویل نقشے ہیں جو کھینچے گئے ہیں اور اس آیت میں بھی یہی مضمون ہے جو میں نے آپ کے سامنے پڑھ کے سنایا۔خدا کے پیار کی نظر اس پہ پڑی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیار کی نظر صرف انبیاءؑ پہ نہیں پڑتی عامۃ الناس کے سلوک پر بھی پڑتی ہے۔آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق بہت سے واقعات میں بعض دفعہ مثالیں دے کر مہمان نوازی کا ذکر فرمایا ہے،بعض دفعہ نصیحتیں کر کے،بعض دفعہ نصیحت پر عمل جس طرح ہوا اس پر خدا تعالیٰ نے جو آپؐ کو خبریں دیں ان کا ذکر فرما کر مہمان نوازی کی عزت افزائی فرمائی۔

یہ واقعہ آپ کو کئی دفعہ سنایا جا چکا ہے مگر بعض واقعات ہیں جن کی لذّت کم ہو ہی نہیں سکتی۔جتنی دفعہ چاہیں سنیں وہ زندہ واقعات ہیں اور جس طرح ایک انسان زندہ ہو اور محبوب ہو آپ یہ

تو نہیں کہتے کہ تم کل بھی آئے تھے، پرسوں بھی آئے تھے اب پھر کیا کرنے آ گئے ہو، وہ جب بھی آتا ہے اچھا لگتا ہے۔ تو آنحضرت ﷺ کی زبان سے مہمان نوازی کے پیارے واقعات کبھی پرانے ہو ہی نہیں سکتے، کم سے کم میرے دل پہ تو کبھی بھی انہوں نے یہ اثر نہیں ڈالا کہ ہم نے کئی دفعہ سنا ہے اب کیا ضرورت ہے۔ پس میں جب تکرار کیا کرتا ہوں تو مجبوراً کرتا ہوں مجھے پتا ہے کہ جس طرح مجھے لطف آ رہا ہے سب کو آئے گا اس لئے ایسی تکرار اچھی لگتی ہے۔ یہ واقعہ بھی ویسا ہے جو چاہیں لاکھ بار آپ سنائیں اور سنیں اس کی لذّت ختم نہیں ہو سکتی۔

بخاری کی حدیث ہے کتاب مناقب الانصار سے باب **ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصتہ** وہ اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں **ولو کان بھم خصاصتہ** خواہ ان کو خود بھوک کی تنگی مشکلات میں مبتلا کئے ہوئے ہو۔ خصاصہ ایسی حالت کو کہتے ہیں جب خرچ کرنے کے لئے کچھ نہ ہو، کچھ دینے کے لئے نہ ہو۔ ایسی حالت میں جب کہ خود وہ تنگی محسوس کر رہے ہوں پھر وہ دوسروں پر اپنے آپ کو قربان کر دیتے ہیں۔

حضرت ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مسافر حضور ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپؐ نے گھر کہلا بھیجا کہ مہمان کے لئے کھانا بھجواؤ۔ جواب آیا کہ پانی کے سوا گھر میں کچھ نہیں۔ اس سے آنحضرت ﷺ کے روزمرہ کی زندگی کے حالات کا بھی تصور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت دیتا تھا لیکن جس رفتار سے آتا تھا اسی رفتار سے آپؐ آگے چلا دیا کرتے تھے۔ اس لئے بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ گھر میں اور کچھ نہیں تھا مگر یہ مطلب نہیں تھا کہ آنحضور ﷺ اپنے اہل و عیال کو بھی ان کی خواہش کے بغیر مشکل میں ڈالتے تھے۔ بعض لوگ یہ حدیثیں پیش کر کے یہ تصور باندھتے ہیں، یہ تأثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ اپنے اہل و عیال کو مشکل میں ڈالتے تھے۔ یہ درست نہیں ہے۔ آپؐ بے حد خیال فرماتے تھے مگر بعض واقعات بعض ایسے زمانوں میں بھی ہو سکتے ہیں جبکہ بہت زیادہ تنگی کا دور تھا اور بعض مہینوں بلکہ سال ایسے آئے ہیں جبکہ سارے مسلمان بھوک میں مبتلا رہتے تھے اور آنحضرت ﷺ کیونکہ سب سے زیادہ ایثار کرنے والے تھے اور اس دور میں یقیناً آپؐ نے اپنی تنگی کے ساتھ اپنے اہل و عیال کو بھی شامل فرمایا مگر ان کے جذبے اور شوق ساتھ ساتھ چلاتے ہوئے، یہ نہیں کہ ان پر مجبوراً کوئی چیز ٹھونسی گئی ہو۔ اس کی بہت سی مثالیں میرے سامنے ہیں مگر اس

وقت اس تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔

یہ واقعہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ گھر کہلا بھجوایا مہمان کے لئے کچھ لاؤ۔ عرض کیا گیا پانی کے سوا کچھ نہیں۔ اس پر حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا اس مہمان کے کھانے کا بندوبست کون کرے گا؟ ایک انصاری نے عرض کیا حضور میں انتظام کرتا ہوں۔ اب یہ جو واقعہ ہے میرے اس نتیجہ کی تائید کر رہا ہے۔ ایک عام دور تھا تنگی کا اس زمانے کی بات ہو رہی ہے اور صحابہؓ میں سے ایک شخص نے کہا میں کرتا ہوں اور لوگ سمجھے ہوں گے کہ اس کے پاس بہت زیادہ کھانا ہے اس لئے اس نے کہا لیکن کیسے کیا؟ اس کا حال سنئے۔ چنانچہ وہ گھر گیا اپنی بیوی سے کہا آنحضرت ﷺ کے مہمان کی خاطر مدارت کا انتظام کرو۔ بیوی نے جواباً کہا آج گھر میں تو صرف بچوں کے لئے کھانا ہے۔ نہ میرے لئے نہ تمہارے لئے۔ انصاری نے کہا اچھا تو کھانا تیار کرو پھر چراغ جلاؤ اور جب بچوں کے کھانے کا وقت آئے تو ان کو تھپتھپا کر، بہلا کر سلا دو۔ چنانچہ عورت نے کھانا تیار کیا چراغ جلایا، بچوں کو بھوکا سلا دیا پھر چراغ درست کرنے کے بہانے اٹھی اور جیسے پلو لگ جاتا ہے اس طرح گویا حادثے کے طور پر چراغ بجھا دیا۔ پھر دونوں مہمان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے اور آوازیں منہ سے ایسے نکالتے رہے جیسے چٹخارے لے رہے ہوں حالانکہ وہ بچوں کا کھانا بھی معلوم ہوتا ہے اتنا نہیں تھا کہ بچوں کا بھی پیٹ بھر سکے کیونکہ بمشکل ایک مہمان کے کام آیا اور مہمان یہ سمجھتا رہا کہ میزبان بھی میرے ساتھ کھانا کھا رہے ہوں گے۔ منہ سے چٹخاروں کی آوازیں سن رہا تھا۔ جب صبح وہ انصاری حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے ہنس کے فرمایا تمہاری رات کی تدبیر سے تو اللہ تعالیٰ بھی آسمان پر ہنس پڑا۔ ایک روایت یہ بھی میں نے سنی ہے کہ خدا بھی چٹخارے لینے لگا جب تم چٹخارے لے رہے تھے۔

یہ پاک باطن، ایثار پیشہ لوگ کس طرح اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ اللہ کا احسان دیکھیں کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ حالت کی قربانی کو بھی خدا نے نظر انداز نہیں فرمایا۔ جیسے قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی کے ذکر کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا اور اس طرح محفوظ کیا کہ جب بھی پڑھیں دل اس طرح پگھل جاتا ہے حضرت ابراہیمؑ کی محبت میں اور اس واقعہ کو آنحضرت ﷺ کی زبان سے محفوظ فرما دیا اور الہاماً آپؐ کو خبر دی کہ اے محمد ﷺ! تیرے غلاموں میں یہ پیدا ہوئے ہیں۔ پس

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:10) کے سردار تو خود محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور دوسری مثالیں جو میں پہلے بھی بار بار دے چکا ہوں دل تو چاہتا ہے کہ ہمیشہ دہرائی جائیں مگر وقت کی کمی کی وجہ سے میں نہیں پیش کر سکتا۔ ان سے پتا چلتا ہے کہ آنحضورؐ نے اپنے پاک نمونے کے ذریعے مہمان نوازی کا ایسا لطیف جذبہ صحابہؓ میں سرایت کر دیا کہ وہ انبیاءؑ کی شان کو چھونے لگا۔ آسمان سے خدا کی تحسین کی نگاہیں اس پر پڑنے لگیں اور وحی کے ذریعے محمد رسول اللہ ﷺ کو مطلع فرماتا ہے۔

یہ وہ مرتبہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بے شمار درود ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی میں پہلے اپنی ذات میں زندہ کیا پھر ہم میں زندہ کر دیا۔ جتنا بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احسان پر آپؑ کے لئے دعائیں کی جائیں کم ہوں گی۔ دیکھو چودہ سو سال پہلے کے واقعات مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں تیرہ صدیاں گزر چکی تھیں۔ کئی تاریک صدیاں ان کے درمیان حائل ہو چکی تھیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ان میں سے ایک ایک کو پکڑا اور آنحضور ﷺ، اپنے محبوب آقا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک ایک روایت کو زندہ کیا ہے اور پھر اپنے صحابہؓ، اپنے غلاموں میں اس جذبے کو کس شان کے ساتھ جاری فرما دیا۔ سو سال سے زائد ہو گئے لیکن یہ جذبہ کم ہونے کی بجائے بڑھ رہا ہے۔ یہ نیکی کا حسن ہے، یہ زندگی کی علامت ہے۔

زندگی ہمیشہ بڑھا کرتی ہے اور وقت کے گزرنے سے کم نہیں ہو جایا کرتی۔ یعنی وہ لوگ جو زندہ ہوں مر بھی جائیں تو وہ نشو ونما کے ذریعے اپنے پیچھے اپنی مثالیں چھوڑ جایا کرتے ہیں۔ اس لئے زندگی کی صفت ہے کہ وہ بڑھتی ہے اور جب تک خدا تعالیٰ نے اس کے بڑھنے کے دائرے مقرر فرمائے ہیں وہ نشو ونما پاتی چلی جاتی ہے اور پھر جب اس دائرے کو پہنچتی ہے تو اگلی نسل میں اس کی زندگی کی نشو ونما اسی طرح پھولنے پھلنے لگتی ہے، اسی طرح رونما ہونے لگتی ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک زندگی آج دیکھو کروڑ زندگیوں میں بدل چکی ہے۔ آپؑ کی مہمان نوازی کا ہر لطیف جذبہ احمدیوں کے دلوں میں کیسی لطافتیں اور رس گھول رہا ہے اور جو مہمان نوازی کی لذت سے

آشنا ہو جائیں ان کو پھر اس سے کبھی الگ نہیں کیا جا سکتا۔ پس اس جذبے سے آپ بھی مہمان نوازی کریں۔ آنے والوں کی عزت اور وقار کا خیال رکھیں اور ان کے لئے ہر قربانی پیش کریں۔

لیکن مہمانوں کے لئے بھی ایک نصیحت ہے۔ بسا اوقات مہمان ضرورت سے زیادہ اور سنت کی اجازت سے زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جہاں میزبانوں کو نصیحتیں فرمائی ہیں وہاں مہمانوں کے لئے بھی تو نصیحتیں فرمائی ہیں۔ مثلاً تین دن سے زیادہ اپنا مہمانی کا حق نہ سمجھو۔ اس سے زیادہ اگر ہے تو وہ آپس کے تعلقات کے سلسلے ہیں۔ مگر تین دن کی حد مقرر کر دینا یہ ایک بہت بڑا احسان ہے امت پر۔ ورنہ وہ لوگ جن کی سرشت میں یہ داخل کر دیا گیا ہو کہ تم نے ایثار کرنا ہے ان کا تو کچھ بھی نہ رہے۔ دن رات ایسے لوگ جو بے حسی کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں وہ دوسروں کے گھروں پہ قبضے کر جائیں اور ان کے لئے نہ کوئی اپنا وقت چھوڑیں نہ اپنا ساز و سامان لینے دیں۔ اس عرب کے مہمان والا قصہ ہو جائے جو ایک بدو کے گھر ٹھہرا تو چند دن کے اندر اندر اس کا سب کچھ چٹ کر گیا۔ نہ بھیڑیں رہیں نہ بکریاں اور اونٹ بھی ذبح ہونے لگے۔ آخر ایک دن اس نے پوچھا کہ یا حضرت سر آنکھوں پر لیکن کیا ارادہ ہے۔ مطلب تھا کہ اس کو اگر یہ سفر پر جا رہا ہے تو سفر یاد کراؤں لیکن عربوں میں مہمان نوازی دیکھیں کتنی غیر معمولی تھی۔ اس مہمان نوازی کو محمد رسول اللہ ﷺ نے چمکایا ہے اور کیسے بلند تر ارفع مقامات تک پہنچا دیا۔ چنانچہ مہمان نے جواب دیا کہ مشکل یہ ہے کہ میرا معدہ خراب ہے، بھوک نہیں رہی اور سنا تھا کہ کوئی بہت بڑا حکیم ہے جو بھوک پیدا کرنے کا ماہر ہے اور میں اس کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ تب اس مہمان نواز نے کہا:

یَا ضَیفنا ان زرتنا لوجدتنا
نحن الضیوف وانت رب المنزل

کہ اے میرے معزز مہمان اب کہ اگر لوٹے تو میں تمہارا مہمان اور تم گھر کے مالک ہو جاؤ گے۔ تو یہ بھی مہمان نوازی کی قسمیں ہیں۔ مگر میزبانوں کے علاوہ مہمانوں کی قسمیں بھی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھیں کس طرح اس کو محدود فرما دیا۔

اب سنت کے حوالے سے مہمان مجبور ہو گیا ہے کہ تین دن تک حق سمجھے اور اس کے بعد کہے کہ مجھے اجازت دیں اور پھر وہ آثار میں بھی دیکھے کہ اجازت نہ دیتے ہوئے بھی کوئی میزبان تکلیف

میں ہے تو اس کا اخلاقی فرض ہے کہ لفظوں کے بہانے نہ ڈھونڈے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہمان سے نہیں پوچھا تھا کہ کھانا کھاؤ گے کہ نہیں اس میں ایک نفسیاتی نکتہ ہے۔ اگر مہمان سے پوچھا جائے کہ کھانا کھاؤ گے کہ نہیں تو بسا اوقات وہ کہتا ہے نہیں ضرورت نہیں ہے۔ جن لوگوں میں جھوٹ کی عادت ہے وہ بعض دفعہ جھوٹ بولتے ہیں کہ جی کھا کے آئے ہیں۔ جہاں سچ پر زور دیا جاتا ہے وہ کوئی اور بہانہ چالاکی سے بات کو ٹالتے ہیں اور ہمارے تجربے میں خدا کے فضل سے یہ بات بہت زیادہ دیکھی جاتی ہے یعنی ایک مہمان جو جھوٹ بول نہیں سکتا بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا وہ ادھر ادھر کے بہانے بنائے گا اور سیدھا بات کا جواب نہیں دیتا۔

میزبان کا بھی یہی حال ہے۔ یہ یک طرفہ قصہ نہیں ہے۔ جب آپ میزبان سے اجازت مانگیں گے تو وہ یہی کہے گا کہ نہیں نہیں ٹھہریں بڑے شوق سے، آپ کا اپنا گھر ہے اور اگر اسی طرح رہے تو اس کا گھر کہاں رہے گا، بے چارے کا وہ تو آپ کا گھر بن جائے گا۔ اس لئے نحن الضیوف و انت رب المنزل والا مضمون بھی یاد رکھیں۔ جب آپ تین دن دیکھیں پورے ہو گئے اور جلسے کی خصوصی ضرورت کے دوران ہم نے چودہ دن تک بھی اس بات کو ممتد کر دیا ہے یعنی جماعتی مہمان نوازی۔ اس کے بعد آپ کو پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اور ٹھہروں کہ نہ ٹھہروں۔ آپ اجازت چاہیں اور اصرار کریں کہ اب مجھے جانا چاہئے یا میں اپنا انتظام کروں گا۔ اگر میزبان بضد ہو اور آپ کو دکھائی دے کہ وہ مصر ہے کہ آپ اپنے قیام کو لمبا کریں تو اس کو تکلیف نہیں ہوگی تو پھر شوق سے آپس کے سلسلے ہیں، اس میں کوئی حکم نہیں ہے کہ لازماً تین دن کے بعد جدائی اختیار کی جائے یا چودہ دن کے بعد جدائی اختیار کی جائے۔ مگر اب نیتوں کا حال ہے اپنی نیتوں کو ٹٹولا کریں اور نیتوں کو صاف رکھیں گے تو پھر کبھی کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔ اگر نیتوں میں بھی ٹیڑھا پن آ گیا تو پھر آپ کے نکالے ہوئے سب نتیجے غلط ثابت ہوں گے۔

دوسری باتیں جو اور کرنے والی تھیں وقت تو تھوڑا ہے اور جو بھی احادیث کے یا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے میں نے اکٹھے کئے تھے وہ آئندہ ایسے موقعوں پہ کام آتے رہیں گے۔ اب میں ایک اور بات کی نصیحت آپ کو کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس جلسے میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ پہلے سے بھی بڑھ کر غیر معمولی فضلوں کو نازل ہوتا دیکھیں گے اور ان فضلوں

کے دیدار کی جو خدا نے توفیق عطا فرمائی ہے اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ یہ دن ذکر الٰہی میں گزاریں اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں پر اس کے احسانات کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے وقت کو کاٹیں اور اس جنت سے لطف اندوز ہوں۔ جو شکر کی جنت ہے ویسی کوئی جنت نہیں۔ شکر ایک ایسی عظیم نعمت ہے کہ شکر گزار بندہ جو ہے وہ واقعۃً اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے تلے اس دنیا میں ہی جنت پا جاتا ہے اور اس کے عظیم فوائد ہیں جو اپنی ذات میں الگ خطاب کو چاہتے ہیں۔ مگر اتنا میں آپ کو کہوں گا کہ خدا کے فضلوں کا شکر کیسے ممکن ہوگا جو بارش کی طرح برس رہے ہوں، ان گنت ہوں، ناممکن ہے کہ آپ ان کا احاطہ کرسکیں۔

تو جہاں تک ہمارا فرض ہے ہمیں چاہئے کہ جس حد تک ممکن ہے خدا کے فضلوں پر نظر کریں اور خدا کے احسان کا بدلہ تو انسان اتار ہی نہیں سکتا۔ ناممکن ہے۔ ایک ذریعے سے وہ احسان کا بدلہ اتارنے کا احساس اور شعور بیدار کرسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرۃ:4) جتنا خدا عطا فرماتا ہے اتنا ہی وہ آگے بنی نوع انسان پر اور نیک کاموں پر خرچ کرتے چلے جاتے ہیں۔ تو احسان کا جو سلسلہ ہے وہ جو آسمان سے اترتا ہے وہ نیچے ہی کی طرف بہتا ہے۔ مگر جب خدا کے نام پر خرچ کیا جائے تو یہ ایک احسان کے شعور کو زندہ رکھنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ایک کوشش تو ہے۔ انسان یہ تو کہہ سکتا ہے کہ اے خدا تیرے احسانات کا بدلہ تو ممکن ہی نہیں، تجھے ضرورت کوئی نہیں ہے مگر تیرے بندوں کو تو ضرورت ہے۔ تیرا دین آج جس حالت میں ہے اس دین کو تو ضرورت ہے تو میں تیرے احسان کا حقیقی شکر ادا کرتے ہوئے ان باتوں پر میں خرچ کرتا ہوں، اپنا وقت بھی زیادہ خرچ کریں۔

اور وہ احسانات جو خدا تعالیٰ کے فضل سے تمام دنیا میں بکثرت احمدی ہونے کے ذریعے نازل ہورہے ہیں ان کا حق ادا کرنے کے لئے لازم ہے کہ اپنی تربیت بھی کریں اور دوسروں کی تربیت کے لئے اپنا پہلے سے زیادہ وقت دیں۔ ان کو کسی نہ کسی نے تو سنبھالنا ہے۔ جو ہزاروں آیا کرتے تھے اب لاکھوں ہیں اور لاکھوں سے بھی اب ملین سے بھی اوپر نکل چکے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ ان کو کیسے سنبھالنا ہے۔ ان کو سنبھالنے کے لئے آپ کو اپنے گھروں کی صفائی کرنی ہے، اپنے باطن کی صفائی کرنی ہے، دلوں کی صفائی کرنی ہے اور ہر جگہ ان کو کھلے دل سے خوش آمدید کہتے ہوئے ہاتھ دکھائی دیں۔ پھر اگر مہمان نواز تھوڑے بھی رہ جائیں تو مہمان جانتا ہے کہ مجبوری کے قصے ہیں لیکن ہر

طرف سے اسے لبیک لبیک کی آوازیں آنی چاہئیں۔

اس دفعہ جب امریکہ اور کینیڈا کے نومبائعین سے میری ملاقاتیں ہوئی ہیں وہ جو واقعۃً، حقیقۃً احمدی ہوئے تھے، بعض تھوڑی دیر میں کچے توڑے گئے تھے ان کی شکل بتا دیتی تھی کہ ان کی کیا کیفیت ہے مگر اس کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ پہلے کسی دورے میں مجھے اتنے مخلص اور واقعۃً صمیم قلب کے ساتھ ہوتے ہوئے احمدی دکھائی نہیں دیئے تھے۔ یہ جو عام دور چل پڑا ہے تبلیغ عام یعنی دعوت الی اللہ، دعوت الی اللہ کے چرچے چل رہے ہیں یہ امریکہ جیسے مادہ پرست ملک میں بھی ایک ہنگامہ برپا کرنے لگے ہیں اور اتنا اثر ہے اس کا لوگوں پر کہ جو بھی ملنے والے آتے رہے ہیں انہوں نے اس بات کا ذکر اگر سب نے نہیں کیا تو اکثر نے کیا کہ ہم تو جب سے آئے ہیں لگتا ہے کہ ہم سب سے زیادہ معزز مہمان ہیں۔ ہر احمدی ہم سے محبت کرتا ہے اور حیران رہ جاتے ہیں کہ یہ کیسے ہوگئی۔ پتا چلتا ہے نومبائع ہیں تو بے اختیار ان کے دل اچھلتے ہیں سینوں سے اور ہمارے دلوں کو لینے کے لئے آگے بڑھتے ہیں استقبال کے لئے۔

یہ وہ مضمون ہے جو تربیت کے تعلق میں ہر احمدی کو یاد رکھنا چاہئے۔ اب آنکھیں بند کر کے اور منہ میں گھنگنیاں ڈال کر بیٹھنے کے وقت نہیں رہے۔ اب تو آپ کو کھل کر لبیک کہنا پڑے گا اور آگے بڑھ کر جس اجنبی کو دیکھیں قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ کا خیال کریں۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اجنبی دیکھا تھا اور دیکھیں کیسا ان کی مہمان نوازی کا انتظام فرمایا۔ یہ اجنبی لوگ جو آ رہے ہیں ان کو زیادہ دیر اجنبی نہ رہنے دیں تیزی سے اپنے اندر ملائیں تا کہ پھر یہ مہمان نواز بن جائیں اور زیادہ دیر تک یہ مہمان نہ رہیں جلد جلد مہمان نوازوں میں تبدیل ہونے لگیں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو بڑھتے ہوئے تقاضوں کو ہم پورا نہیں کر سکیں گے۔

عظیم انقلاب برپا ہو رہا ہے جس کا آج سے دس سال پہلے مثلاً کوئی آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا خود میرے ذہن میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے بڑی چھلانگ لگائی تھی تو میں نے سوچا تھا کہ ایک سال میں ایک لاکھ احمدی ہو جائے تو کتنا مزہ آئے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ بعض دفعہ بے اختیار بے سوچی سمجھی سکیم کے الفاظ منہ پہ ایسے جاری کر دیتا تھا کہ میں خود بھی حیران تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ لیکن یقین کے ساتھ خدا کی قسمیں کھا کھا کر میں جماعت کو

بتا رہا تھا کہ میں بکثرت فوج در فوج لوگوں کو احمدیت میں داخل ہوتا دیکھ رہا ہوں۔ اس کثرت سے آئیں گے ہر طرف سے کہ آپ کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہے۔ ایسے ہی ایک خطاب کے موقع پر ایک ہندو پنڈت جو باہر سے آیا ہوا تھا اس نے ایک احمدی سے کہا کہ آج تو مجھے لگتا ہے میں نے کرشن دیکھ لیا ہے کیونکہ جس یقین کے ساتھ اس نے خدا کی باتیں کی ہیں وہ سچے انسان کے سوا کوئی کر نہیں سکتا۔

اور لوگ کہتے تھے یہ کیسے ہوگا۔ مانتے تو تھے، دل بھی چاہتا تھا مان جائیں مگر آثار نہیں تھے۔ اب دیکھو کیسا خدا نے موسم بدل دیا ہے، کایا پلٹ گئی ہے۔ وہ جماعتیں جن کے متعلق سالہا سال کی کوششیں بے کار گئیں ان میں زندگی کے آثار پیدا نہ ہو سکے۔ اب وہ جب خبریں بھیجتے ہیں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ میں نے تو ان سے اتنی توقع نہیں رکھی تھی یہ اس سے آگے نکل گئے ہیں۔ پھر میں ان کو کہتا ہوں اچھا غلطی ہوگئی اب آپ کا ہم ٹارگٹ بڑھا رہے ہیں اور اس پہ وہ ناراض نہیں ہوتے۔ وہ کہتے ہیں اچھا دعا کریں ہم یہ ٹارگٹ بھی پورا کریں، اس سے بھی آگے نکلیں اور اللہ کے فضل سے یہ بھی ہو جاتا ہے۔ تو دن ایسے آرہے ہیں یعنی پھل پک رہے ہیں اور خدا پکار رہا ہے، موسم لے آیا ہے۔ ہماری کوششوں کا کوئی دخل نہیں ہے، ہمیں کوششوں کی توفیق بھی خدا نے بخشی ہے۔ اس بات کا جتنا میں قائل ہوں کوئی مجھ سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا کیونکہ میں تو جوانی کے آغاز سے ہی تبلیغ تبلیغ کی رٹ لگائے رکھتا تھا خدام الاحمدیہ میں بھی، وقف جدید میں بھی جہاں بھی میری پوسٹنگ ہوئی جہاں جاتا تھا تبلیغ کرو تبلیغ کرو، اٹھو اور دعوت دو۔ مجلسیں لگاتا تھا ہر جگہ سوال و جواب کی گویا ایک جنون کی سی کیفیت خدا تعالیٰ نے خود میرے دل میں ڈالی تھی۔ میری اس میں قطعاً کوئی خوبی نہیں تھی۔ اب میں سمجھا ہوں کہ مجھے تیار کیا جا رہا تھا اور اب دیکھیں باوجود ان سب کوششوں کے کبھی بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ ان معنوں میں کہ میں کوئی انقلاب ہوتا دیکھوں، واقعۃً لوگ تبلیغ شروع کر دیں۔ یہی مسجد لندن ہے یہاں کے امام صاحب کو میں چٹھیاں لکھتا تھا تو جواب آتا تھا کہ یہاں حالات اور ہیں آپ نہیں سمجھتے۔ جرمنی والوں کو کہتا تھا تو کہتے تھے یہاں تو کوئی نہیں سنتا۔ یہ دنیا ہی اور ہے آپ کس دنیا میں بسے ہوئے ہیں۔ امریکہ والے ہوں یا غیر، دوسرے ملکوں کے ہوں۔ اب وہاں حالات ایسے پلٹ گئے ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس یقین سے دن بدن میرا دل بھر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہنے

کی بھی توفیق بخشی ہے اور جب اثر ڈالنا تھا تو آسمان سے اثر اترا ہے۔ ورنہ میری زبان تو وہی تھی کوئی مزید اضافے تو مجھے مضمون نگاری کے معلوم نہیں ہو سکے۔ اسی طرح کہتا رہا مگر جب خدا نے فضل اتارا اور جب پھل پکنے کے وقت آئے ہیں تو اب سنبھالنے کی فکر ہوگئی ہے۔ اس لئے سنبھالنے کے تعلق میں میں آپ سے عرض کر رہا ہوں کہ یہ بھی ایک مہمان نوازی ہے اس کا بھی حق ادا کریں اور اس کے لئے آپ کو تیاری کرنی ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہؓ نے اپنے نفوس کو جھاڑ و دے دے کے صاف کیا ہے۔ تو آپ بھی نفسوں میں جھاڑو دیں۔ اپنی ان کمزوریوں کو دور کریں جو آنے والوں کے اوپر بعض دفعہ بد اثرات چھوڑ جاتی ہیں، ان کے جذبوں کو بجھا دیا کرتی ہیں۔

پس اس موقع پر ہم سب ہی مہمان نواز ہیں جو مہمان ہیں وہ بھی مہمان نواز ہیں اور جو میزبان ہیں وہ بھی مہمان نواز ہیں۔ کیونکہ بہت سے اجنبی ایسے بھی آئیں گے جن کا جماعت سے تعلق نہیں ہے اور ان کے لئے پہچاننا بھی ضروری نہیں، پوچھنا بھی ضروری نہیں۔ وہ سب آپ کے معزز مہمان ہیں۔ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ بھی ہیں اور ضیوف مکرمین بھی ہیں۔ ایسے ضیوف ہیں جو مکرم ہیں یعنی ان کی عزت کی جاتی ہے۔ پس ہر ایک پر عزت کی نگاہ ڈالیں، ہر ایک سے محبت سے پیش آئیں اور اس بڑھتے ہوئے تعلق کے نتیجہ میں ایک اور تقاضا ہے جو طبعاً خود بخود پورا ہوگا اور وہ یہ ہے کہ خدا کے فضلوں کے نتیجہ میں حسد بھی بہت بڑھ رہا ہے۔ اتنا بڑھ رہا ہے کہ لگتا ہے لوگ اپنے غیظ وغضب کی آگ میں جل کے مرجائیں گے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس مضمون کو یوں فرمایا گیا ہے مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ (آل عمران: 120) یہی سلسلہ ہے تو مرجاؤ اپنے غیظ میں لیکن یہ خدا کی طرف سے ہے ارشاد یعنی مومن کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ تم نہیں مرو گے ان کے غیظ سے یہ مریں گے لیکن احتیاطی تدابیر کے متعلق دعائیں سکھا دیں وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (الفلق: 6)۔ تو اسے از خود جاری ہونے والی ایسی تقدیر نہ سمجھیں جس میں آپ کو زبان ہلانے کی ضرورت نہیں ہے یا دعاؤں کے ذریعے مدد مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب یہ دیکھیں کیسا عجیب مضمون ہے شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ بعض طبیعتیں حاسد ہوا کرتی ہیں اور ہر حاسد طبیعت ہر وقت حسد نہیں کر رہی ہوتی بعض مواقع ایسے آتے ہیں کہ جب حاسد حسد کے لئے بھڑک اٹھتا ہے اور غیر

حاسد حسد نہیں کرتا۔ تو انسانوں کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جو حاسد ہیں اور ایک ہیں جو دوسروں کی خوشیوں سے خوش ہوتے ہیں یہی مومن ہیں۔ یہی وہ سچے خدا کے بندے ہیں جن کے لئے آسمان سے حقیقت میں دائمی برکتیں اتاری جائیں گی، مگر حاسد بھی ہیں۔ تو جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ پہلے اپنے نفس کو صاف کرنا چاہئے۔ اس ضمن میں جہاں آپ لوگوں سے ملیں گے وہاں نظر بھی رکھیں کہیں کوئی حسد جماعت کو نقصان پہنچانے والا تو نہیں۔ ایک نگرانی کی آنکھ کے ساتھ بھی دیکھیں مگر ادب اور احترام کے ساتھ۔ شک کی نظر اور ہے اور احتیاط کی نظر اور ہے۔ آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر احتیاط کی نظر کوئی نہیں رکھتا تھا اور آپؐ سے بڑھ کر شک کے خلاف کسی نے تعلیم نہیں دی۔ ایک عجیب حسین توازن ہے ان دونوں باتوں کے درمیان۔ تو آپ نے ناحق بدظنیاں تو نہیں کرنی مگر احتیاط کے وہ سارے تقاضے پورے کرنے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے ہمیں سکھائے اور قرآن کریم کی اس آیت نے ان کی طرف متوجہ کر کے ہمیں ہمیشہ دعا کرتے رہنے کی طرف ہدایت فرمائی۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ اور گھر صاف کرنے کا جہاں تک مضمون ہے، اپنے دل کو ٹٹولیں کہ آپ کہیں حاسد تو نہیں۔ ہم میں بھی حاسد مزاج کے لوگ ہیں۔ وہ جب بھی نظام پہ تنقید کرتے ہیں بھلائی کی خاطر نہیں، حسد کی وجہ سے کرتے ہیں۔ کوئی اور آگے بڑھ گیا تو ان کو آگ لگ جاتی ہے اور سمجھتے یہ ہیں کہ ہم نیک نصیحتیں کر رہے ہیں اور لکھتے ہیں کہ دیکھیں برا نہ منانا ہم تو سچی بات کریں گے لیکن اللہ بہتر جانتا ہے اور وہ بھی اگر چاہیں تو پہچان سکتے ہیں اپنی ذات میں ڈوب کر اگر اس کی جڑ تلاش کریں کہ کہاں تھی تو مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ کا مضمون ان کو دکھائی دے گا وہ فطرتاً حاسد ہیں اور ایسا حسد عورتوں میں بدقسمتی سے زیادہ ملتا ہے۔

اب MTA کے تعلق میں مجھے پتا چلتا ہے بعض دفعہ کسی کی بچیاں زیادہ آگئیں تو اس پر بھی حسد شروع ہو گئے اور یہ نصیحتیں ہوتی ہیں کہ بعض لوگوں کو بار بار زیادہ نہیں دکھانا چاہئے اور اس سے لوگ بور ہوں گے۔ اب لوگوں کے لئے نام لئے اور اپنے دل کی تکلیف کا اظہار کر دیا اور پردے کی بات کی تو اس وجہ سے نہیں کہ پردے کی محبت ہے۔ اس لئے کہ اگر کسی اور کی بچی سے بے احتیاطی ہو جائے تو یہ اب موقع ہے اس کو زخم پہنچانے کا۔ آپ نے اس کو موقع دے دیا دیکھیں ذرا ٹیلی ویژن پہ آئی تھی تو پردے کی احتیاط ہی کوئی نہیں تھی سب دنیا دیکھ رہی تھی۔ اب یہ باتیں اگر دل کے درد کے

ساتھ مخفی طور پر مجھے پہنچائی جائیں تو میں اسے یہ نہیں کہوں گا کہ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ لیکن اگر عورتوں میں بیٹھ کے عورتیں باتیں کریں تو اس کے سوا اس کا کوئی نام نہیں رکھا جاسکتا کہ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔ تو جو خدمت کرنے والے ہیں وہاں بھی وہ حاسدین کی نگاہ میں آسکتے ہیں۔ بعض لوگ خدمت کے ایسے مقام پہ ہوتے ہیں زیادہ قرب ان کو ملتا ہے، زیادہ آگے آتے ہیں بعض دوسرے ان کے متعلق تکلیف محسوس کرتے ہیں اور حاسد کی آنکھ کئی طرح سے نقصان پہنچا دیا کرتی ہے۔ پس اللہ کی پناہ میں آنا ضروری ہے۔ جماعت کے حاسدوں سے بھی بچنے کی کوشش کریں اور محبت کے نتیجہ میں جب آپ قرب کو حاصل کریں گے تو احتیاط کی نظر کو نہ بھولیں۔ محبت کی نظر بعض دفعہ غافل بھی کر دیا کرتی ہے مگر مومن غافل نہیں ہوا کرتا۔ آنحضرت ﷺ سے زیادہ مومنوں سے اور کون محبت کیا کرتا تھا۔ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ:128) لیکن باریک سے باریک ان کی فطرت کے وہ خطرات جو ان کے اپنے نفس کے خلاف تھے ان سے آپ آگاہ فرماتے تھے۔ وہ جانتے بھی نہیں تھے لیکن آنحضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بات یوں نہیں کرنی چاہئے تھی۔ یوں کرنی چاہئے تھی۔

پس یہ جلسہ بھی پہلے جلسوں کی طرح ہمارے لئے ایک عمومی عالمی تربیت کے پیغام بھی لایا ہے۔ مواقع بھی لایا ہے۔ دعائیں کرتے رہیں اللہ تعالیٰ ہمیں سب تقاضے پورے کرنے کی توفیق بخشے۔ سب مہمان ہم سے خوش جائیں ہم مہمانوں سے خوش رہیں اور اب یہ جلسہ آیا تو گیا۔ اب اس کے جانے کا خوف دل کو لاحق ہو گیا ہے۔ میرا بھانجا بی اس کو کہتے تھے اس کی بات مجھے ہمیشہ یاد آتی ہے بہت پیاری لگتی تھی۔ یہاں انگلستان ہی میں جب وہ بالکل چھوٹا تھا اس کی والدہ میری ہمشیرہ ہیں میر داؤد احمد صاحب مرحوم کی بیگم تو وہ ایک خاص کیفیت تھی وہ مجھے بھی بلا لیا کرتی تھیں کہ دیکھو اس کو اب انڈا شروع ہوتے ہی رونے لگ جاتا تھا۔ کیا اچھا نہیں لگا؟ کیا بات ہے؟ کہ نہیں کھم ہو جائے گا یعنی ختم بھی نہیں کہہ سکتا تھا کھم ہو جائے گا۔ تو اب تو وہی آنسو ہیں جو میری آنکھوں سے بھی بہنے لگے ہیں۔ جلسہ آیا تو ہے مگر ختم ہو جائے گا۔ اللہ خیر و عافیت سے ختم کرے، فضلوں کی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ان جلسوں میں ہمیشہ ہمیں پہلے سے بڑھ کر خدا کے فضلوں کی زیارت کی توفیق ملے اور اس کے احسانات کا شکر ادا کرنے کی توفیق ملے۔ آمین